نظرات

پورے ملک کے سماجی اور سیاسی نظام کو تعصب، نفرت، دہشت گردی، تفریق، نفاق، اختلاف، انتشار، بغض، کینہ، حسد، شرانگیزی، لسانی اور طبقاتی کشمکش کے مہلک امراض نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ہمارے اِرد گرد کے ماحول میں خوف وہراس کی فضا چھائی ہوئی ہے اور یہ صورت حال یقیناً انتہائی تشویشناک اور قابل توجہ ہے۔ بداعتمادی، بے اعتباری اور جنگ وجدل کے ماحول اجتماعی طور پر ہمارے دل ودماغ کو متاثر کیے جارہے ہیں۔ ہم کہاں جارہے ہیں؟ کدھر جارہے ہیں؟ اور ہماری منزل مقصود کیا ہے؟ یہ ایسے بنیادی اور اہم سوالات ہیں جن کی طرف فوری سنجیدہ توجہ کی ضرورت ہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مجموعی طور پر قوم وملت کے ذی شعور افراد اور دانشور طبقے اس معاملہ میں تساہل برت رہے ہیں۔

یہ اصولی حقیقت ہے کہ "اچھا معاشرہ اچھے افراد سے بنتا ہے" اور دنیا کی تاریخ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ دنیا کے کسی بھی مذہب کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ اچھے افراد مذہب اسلام میں پیدا ہوئے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ شخصیت کی کی تعمیر اور فرد وجماعت کے اخلاق کی تطہیر پر زور دیا ہے، وہ آدمی سے اچھے کردار کا مطالبہ کرتا ہے نہ کہ صرف گفتار کا۔ انسانی زندگی کے جملہ تقاضوں، اس کی ذہنی، فکری،

جسمانی اور روحانی بالیدگی اور ارتقاء کو اسلام فکری انداز سے پورا کرنے کا قائل ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو دوسروں سے محبت کرنا سکھاتا ہے نہ کہ نفرت و عداوت۔ وہ اپنے ماننے والوں میں انسانیت، شرافت، اخلاق اور مروت کے اعلیٰ اقدار دیکھنے کا خواہاں ہے نہ کہ حیوانیت، شیطنت اور بداخلاقی کے جراثیم دامِ الفی۔
اسلام بحیثیت تخلیق پوری نوع انسانی کو ایک "وحدت" اکائی اور کنبہ سمجھتا ہے، اس کا فلسفہ ہے کہ بحیثیت خالق اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے اور تخلیق و پیدائش کے اعتبار سے انسان ایک ہی جنس کی مختلف کڑیاں ہیں، اسلام تواضع، انکساری، ایثار و قربانی، حلم و بُردباری اور عزم و ہمت، عالمی اور انسانی مذہب ہے۔
اس کے باوجود دَورِ حاضر میں ہمیں اس تلخ حقیقت کے ماننے سے بھی انکار نہیں ہے کہ آج مجموعی طور پر ہمارا معاشرہ ابتری کا شکار ہے۔ ملت اسلامیہ جس پستی اور انحطاط کے دَور سے گذر رہی ہے وہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ مسلمان آج نہ صرف مُلکی بلکہ عالمی سطح پر بے کردار کیوں ہو رہا ہے؟ ان میں ہی زیادہ تر سنگین نوعیت اور بھیانک قسم کے جرائم کیوں پھیل رہے ہیں؟ اگر ہم بے لاگ انداز سے اپنا محاسبہ کریں تو پتہ چل جائے گا کہ ہمارا زوال خود ہمارے اعمال کا براہ راست نتیجہ ہے۔ اسلام نے زندہ رہنے کا جو ہمیں گُر سکھایا تھا اُسے ہم نے نظرانداز کر کے فراموش کر دیا اور اُن راہوں پر چل پڑے جو بظاہر ہیں تو پُرکشش لیکن وہ زوال پذیر قوموں کی گذرگاہیں ہیں۔ وہی تن آسانی، عیش و عشرت، لذّتِ نفس کی راہیں جن پر ہزاروں قافلے گذر رہے اور دنیا سے مٹ گئے۔ عروج و زوال کے لئے قدرت کا بنایا ہوا قانون اٹل اور بے لچک ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ زوال کی راہوں پر چل کر ایک گروہ عروج حاصل کرے اور دوسرا پستی و نکبت سے دوچار ہو جائے۔ خواہ کوئی بھی اس راہ پر چلے قدرت کے مقرر کردہ اصولوں اور نتائج سے اُسے بہرحال

دوچار ہونا پڑے گا

یہ صحیح ہے کہ موجودہ وقت میں ہمارے معاشرے کی تقریباً وہی حالت ہے جو ظہور اسلام کے وقت لوگوں کی تھی اور جس کی بہترین تصویرکشی حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے بھرے دربار میں مظلوم مہاجر مسلمانوں کے وفد کے قائد سیدنا جعفر بن ابی طالب نے اپنی معرکۃ الآرا تقریر میں کی تھی۔ ہمیں یہاں لینا چاہئے کہ ہم دن بدن اخلاقی پستی کی طرف گرتے چلے جارہے ہیں۔ چھوٹی بڑی اور نئی و پرانی ایسی کوئی برائی نہیں جو مسلم معاشرہ میں وبا کی صورت میں پھیل کر ہمارا مذاق نہ اُڑا رہی ہو۔ غور کیجئے! مجموعی طور پر اس قوم کا حال ہو رہا ہے جس کا کام نہ صرف برائی سے بچنا تھا بلکہ انسانیت کو برائی کے ارتکاب سے روکنا بھی تھا۔

"اَلنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (التوبہ) جس کا طرۂ امتیاز اور صفت تھی، ہمارے معاشرے میں کبائر اور سنگین جرائم کا ارتکاب جس طرح عام ہو رہا ہے اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے "خیرالامم" کے لقب سے سرفراز کی جانے والی قوم اپنا ماضی بھلا بیٹھی ہو۔ اپنا ملی کردار کھو چکی ہو اور اپنی انفرادیت فراموش کر چکی ہو۔ یہ صورت حال بڑی الم انگیز ہے۔

معاشرتی اور سماجی برائیوں کی مثال ایسی ہے کہ ان کے وبال اور نتائج سے معاشرے کے وہ افراد بھی نہیں بچتے جو بظاہر ان میں شریک نہ ہوں۔ ایک ہی کشتی میں سوار بظاہر کچھ لوگ ڈوبنے سے اس لئے نہیں بچ سکتے کہ وہ سوراخ کرنے میں شریک نہیں تھے۔ ایک گھر کے کچھ مکین اگر گھر کو آگ لگا دیں تو اس گھر کے دوسرے مکین جلنے سے تو اس لئے نہیں بچ سکتے

کہ انھوں نے آگ نہیں لگائی، مکافات عمل کا یہ فطری قانون اور منطقی نتیجہ ہے۔ اس حقیقت کی طرف قرآن کریم کی سورۂ انفال کی اس آیت میں توجہ دلائی گئی ہے:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ	اس عذاب سے بچو جو صرف ان
الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ	لوگوں پر ہی نہیں آتا جو تم میں سے
خَاصَّةً (انفال)	ظلم کے مرتکب ہوں۔

اس وقت بلا مبالغہ بگاڑ اس قدر پھیل گیا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہا۔ اصلاح حال کے لئے ہمیں اپنے کام کی ابتدا وہاں سے کرنی ہوگی جہاں سے خاتم النبیین، رسول رحمت جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے بگڑے ہوئے معاشرۂ انسانی کی اصلاح کے لئے کام کی ابتدا کی تھی اور انہی خطوط اور حدود میں اپنی جدوجہد جاری رکھنی ہوگی جس کی رہنمائی قرن اول کے مسلمانوں کی دینی، علمی، دعوتی، تبلیغی، اصلاحی اور سیاسی زندگی میں ملتی ہے۔ ہمیں اپنے عقائد کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنا ہوگا، اسلام کی مقرر کردہ عبادات کو ان کی روح کے ساتھ عام کرنے کا اہتمام کرنا ہوگا، معاملات کو صحیح اسلامی خطوط پر درست کرنا ہوگا۔ معیشت کا ایسا نظام قائم کرنا ہوگا جو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو۔ انسانیت، محبت، شرافت اور اخلاق کے اعلیٰ اور عظیم اقدار کے فروغ کے لئے تعمیر سیرت اور شخصی کردار کی طرف پوری توجہ دینی ہوگی۔ موجودہ بے اصول سیاست کو صحیح اسلامی تصور سیاست سے آشنا کرکے اس کو حسن انتظام اور خدمت خلق کی عظیم روایات سے ہمکنار کرنا ہوگا۔ مروجہ علوم و فنون کے بگڑے ہوئے مزاج کو درست کرنے کی سبیل کرنی ہوگی۔ نئے علوم وفنون

کی تحویل قبلہ کرنی ہوگی اور مادیت کی طرف سے ان کا رُخ موڑ کر روحانیت کی طرف کرنا ہوگا۔ فساد کے ان سوتوں کو بند کرنا ہوگا جہاں سے برائی نکل کر پھیلتی ہے۔ اصلاح کا کام اس وقت تک مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہر محاذ پر بیک وقت بُرائی اور استحصال کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کیا جائے گا۔ یہ سارے کام مشکل اور دشوار طلب ضرور ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہی کام کرنے کے ہیں، یہی وقت کا تقاضا بھی ہے اور مجموعی طور پر ملتِ اسلامیہ کا فریضہ بھی۔

انسانیت کے خیر خواہ اور بہی خواہ شب و روز ارتقائے انسانیت کی جدوجہد میں مصروف رہیں تو انسانیت کے حریف اور دشمن بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہتے۔ جہاں اور جس جگہ عوام کے ہمدرد، محب وطن اور انسان دوست افراد صلاح و فلاح کی دعوت دیں گے وہاں شر کے حامی بھی اپنے ابلیسانہ اور عیارانہ ہتھکنڈوں سے لیس ہو کر پہونچ جائیں گے۔ اچھے لوگوں کی اگر یہ کوشش اور دعوت ہو گی کہ نیک کام کرنے سے انسان کو حقیقی مسرت اور خوشی حاصل ہوتی ہے تو بدی کے فروغ کے خواہشمند بھی تشدد، نفرت، فرقہ واریت، لوٹ مار، قتل و غارت اور دوسری شیطانی خصلتوں میں مخلوق خدا کو مبتلا کرنے کے لئے اخلاق باختہ سماجی برائیوں میں مصروف ہو جائیں گے۔ انسانیت اور شرافت کے ازلی دشمنوں سے نپٹنے اور ان پر غالب آنے کا سب سے آسان راستہ یہ ہے کہ ہم صرف ذہنی اور فکری طور پر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر

مکمل مسلمان ہوں۔

آزادی کی چار دہائیاں پوری ہو جانے کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ملک ذہنی، عقلی، فکری اور سماجی اعتبار سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہو سکا ہے۔ آزاد ہندوستان میں انسانی زندگی اور مسائل حیات تو بے عدو بے شمار ہیں اور اس کی تفصیل کا یہ موقع بھی نہیں ہے۔ تاہم ملک کی آزادی کے بعد تعمیر و ترقی کا جو دور شروع ہوا اس کے عمومی فوائد اور نتائج براہ راست سماج کے غریب، کمزور، دبے کچلے اور پسماندہ طبقوں تک قابل ذکر حد تک نہیں پہونچ پائے۔ سماج کے غریب اور کمزور طبقوں کے ساتھ مسلسل حق تلفی، ناانصافی اور استحصال کا عمل جاری ہے۔

قضا و قدر کے فیصلے اور قدرت کا نظام، اس وقت ہمارے ملک کے اکثر علاقے یا تو سوکھے اور خشک سالی کی زد میں ہیں جبکہ بعض حصوں میں بے پناہ بارش اور سیلاب نے جانی و مالی اعتبار سے ناقابل تلافی نقصان پہونچایا ہے، اور اس کا اثر بھی براہ راست اور زیادہ تر دیہاتوں اور قصبات میں رہنے والے غریبوں اور کسانوں پر پڑا ہے۔ اگرچہ مرکزی اور ریاستی حکومتیں عوام کے فلاح و بہبود، بازآبادکاری اور ان کے اونچا اٹھانے کے لئے مقدور بھر کوشش اور جد و جہد کر رہی ہیں لیکن اس کا بھی اظہار یہاں ضروری ہے کہ اس کا فائدہ بھی بعض قوتوں کو ہی زیادہ پہونچ رہا ہے اور اس طرح حق دار اپنے بنیادی

حقوق اور امداد سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ملک کے ارباب اقتدار و اختیار محض زبانی دعاؤں اور بیان بازیوں سے کام نہ لیں بلکہ موقع پر جاکر حالات کا عملی جائزہ لیں اور غریب و ضرورت مند لوگوں تک حکومت کی راحت رسانی اور تعمیر و ترقی کے زیادہ سے زیادہ فوائد پہونچانے کی کوشش کریں۔

ملک کا ایک اہم داخلی مسئلہ مختلف مذہبی، لسانی اور تہذیبی اکائیوں کے مابین اعتماد و اعتبار کی فضا کو بڑھاوا دے کر قومی یک جہتی کے کاز کو تقویت دینا ہے، اگرچہ مختلف فرقوں کے درمیان خلیج اور بعد کو بڑھاوا دینے کے ذمہ دار ہمارے موجودہ سیاست دانوں کے علاوہ حکمراں طبقہ بھی ہے تاہم اس کے انسداد کے لئے اخلاقی، روحانی اور جمہوری اقدار کو اجاگر کرنے کے ساتھ تمام جماعتوں کے سربراہوں، سیاسی، سماجی اور مذہبی رہنماؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ذاتی، وقتی اور پارٹی مفادات سے بالاتر ہوکر قومی مفاد کے تحفظ اور ملکی یکجہتی کے لئے کمربستہ ہوجائیں۔ اور یہی ایک راہ ہے متحدہ قومیت کے بقا کی۔ ؎

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے